نقطۂ نظر

کیا اسلام سیکولرزم کا علمبردار ہے؟

توقیر عالم فلاحی
استاد شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اسلام اور سیکولرزم پر گفتگو کرنے سے پیشتر اسکے معنیٰ و مفہوم کی طرف رجوع کیا جائے۔ نیو ویبسٹرس ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں ہے۔

A system of beliefs which rejects all forms of religious faith and worship; The view that public education and other matters of civil policy should be conducted without introduction of a religious element.
(New Webster's Dictionary-Deluxe Encyclopedic Edition P-869)

ترجمہ۔ "عقائد کا ایک ایسا نظام جو مذہبی ایمان و ایقان اور عبادت و اطاعت کی تمام قسموں کی تردید کرتا ہے یعنی ایسا نظریہ جسکی بنیاد پر عوامی تعلیم اور مدنی سیاست کے معاملات کا نظم مذہبی عنصر کے تعارف کے بغیر چلایا جائے۔"

مندرجہ بالا معنی کے پیش نظر اس سیکولرزم کا انتساب اگر ملک یا ریاست کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا ملک یا ایسی ریاست جس کا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔ اگر کسی معاشرے کی طرف اس لفظ کو منسوب کیا جائے تو ایسا معاشرہ مراد لیا جائے گا جہاں کے تمام معاملات و مشکلات کی عقدہ کشائی مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ممکن ہو اور اگر اسی لفظ کا تعلق کسی تحریک یا جماعت سے جوڑ دیا جائے تو ایسی جماعت اور تحریک مراد لی جاتی ہے جس کے سامنے دین اور مذہب کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ چنانچہ سیکولر ریاست ہو تو، معاشرہ ہو تو اور تحریک و جماعت ہو تو ان تمام کا دین اور مذہب سے کوئی رشتہ نہ ہوگا۔ اور یہیں

سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دریں صورت سیکولر ریاست کا قیام عمل میں آسکتا ہے، سیکولر معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے اور سیکولر جماعت بھی بن سکتی ہے لیکن جہاں تک بات ہے مذہب اور ضابطۂ زندگی کی تو اس کی طرف سیکولرزم کا انتساب مہمل اور بے معنی ہے۔

آج اسلام کے سیکولر ہونے کی بات بہتیرے مباحث و تقاریر میں کی جاتی ہے۔ لیکن کیا اسلام واقعی سیکولرزم کا علمبردار ہے؟ اس سلسلے میں صحیح موقف کی وضاحت اسی کتاب الٰہی سے ہوتی ہے جسکے سامنے آسمان فصاحت پر کمندیں ڈالنے والوں نے بھی عاجزی و درماندگی کا ثبوت دیا اور اس کے پے در پے چیلنج پر "لَوْنَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ" (الانفال : ۳۱) کی رٹ لگاتے رہے۔

چنانچہ اسلام اور سیکولرزم پر گفتگو قرآن مقدس کی تعلیمات کی روشنی میں ہی ہوگی ——————

اس عالمِ فانی کے اندر زندگی گزارنے کے بہت سارے طریقے ہیں، بہت سارے نظریات اور بہت ساری تحریکیں ہیں، بہتیرے افکار اور بہت سارے تصورات پائے جاتے ہیں۔ مذاہب و ادیان اور افکار و نظریات کی اس دنیا میں یہ بات ذہن سے محو نہیں ہونی چاہیے کہ یہ تمام مذہب اسلام ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ کم از کم مذاہب و ادیان کی بنیادی تعلیمات کی یکسانیت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن کا فرمان ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ[1] ترجمہ "بلاشبہ دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔ قرآن میں ایک اور جگہ تمام ادیان کا انکار کر کے صرف اسلام ہی کو مقصود و مطلوب دین ان الفاظ میں قرار دیا گیا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[2]

ترجمہ: "جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دوسرا دین چاہے گا اُس کا دین شرفِ قبولیت سے ہمکنار نہیں ہوگا"۔

مذکورہ بالا دو آیتیں اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ ادیان و مذاہب کی اس بھیڑ میں اسلام ہی وہ طریقۂ زندگی یا ضابطۂ حیات ہے جو بلا تفریق رنگ و نسل پوری انسانیت کے لیے ہے۔ یہاں کسی طرح کی جغرافیائی حد بندی نہیں ہے۔ اور قرآن نے اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً[3] کا فرمان جاری کر کے یہ بھی بتا دیا کہ اسکے ساتھ کسی دوسرے نظریہ یا فکر کا لیبل لگانے کی ضرورت نہیں۔

---

[1] آل عمران : ۱۹ [2] آل عمران : ۸۵ [3] البقرۃ : ۲۰۸

یہ کسی بھی ازم کا محتاج نہیں ہے خواہ کمیونزم ہو یا کیپٹلزم اور فاسزم ہو یا لیبرلزم یا پھر سیکولرزم۔ اور نہ ہی یہ ان ازموں کا علم اپنے ہاتھوں میں لے کر انسانیت کو ان کے حلقہ بگوش ہونے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ اسلام ایک مستقل ازم ہے، یہاں تمام شعبہ ہائے زندگی میں راہنما نقوش ملتے ہیں جنہیں اختیار کر کے پوری انسانیت رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔ اسکے بالمقابل دوسرے تمام ازم مخصوص طرز فکر اور مخصوص میدان میں اپنی سرگرمیاں دکھلاتے ہیں۔ انہیں ضرورت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا سہارا لیں۔

قرآن کی مذکورہ بالا آیات کے علاوہ بھی اور بہتیری آیات ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین کے معاملے میں کسی طرح کی بیجا مصالحت اور سمجھوتے کا قائل نہیں ہے، بلکہ فروغ و اشاعت اور غلبہ و تمکنت کے لیے اپنے ماننے والوں کو سرگرم عمل رہنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ سورۃ الصّف کی آیت ملاحظہ فرمائیں: هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ [1] ترجمہ۔ "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار معلوم ہوتا ہو۔"

اسلام تمام ادیان پر غلبہ و برتری کے لیے آیا ہے۔ یہ کسی دنیا پرست یا مادہ پرست مقتدر کی طرف سے اعلان نہیں ہے بلکہ اُس ذاتِ واحد کی طرف سے ایک صداقت کا اظہار ہے جس کے اشارے پر چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لیکر بڑے سے بڑا پہاڑ بھی پابند و مجبور نظر آتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دینِ حنیف کے ساتھ تشریف آوری کا مقصد یہ بتایا گیا کہ آپ اس دین کو دوسرے تمام خود ساختہ نظام ہائے زندگی پر غالب کر دیں۔ اب چونکہ کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا اس لیے امتِ مسلمہ یا امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہی اس پیغام کی امین ہے، اسے ہی اس دین حق کو دوسروں تک پہنچانا ہے اور اس کے غلبہ کے لیے جہدِ مسلسل میں مصروف رہنا ہے۔ ہاں یہ بات فراموش نہ کی جانی چاہیے کہ اس مقدس سفر میں بہت سارے موانع و مشکلات سے سابقہ پیش آئے گا۔ آج چھوٹے سے چھوٹے حق کو حاصل کرنے کے لئے لڑائیوں سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، ایک معاملے پر دو قسم کے خیالات ہوں

---

[1] الصّف : ۹

تو فرقہ اور جماعت کی شکل میں اپنے موافق فکر و خیال کو دوسرے فکر و خیال کے علمبرداروں پر مسلط کرنے کے لیے جنگیں بھی کی جاتی ہیں ۔ لیکن خدا کی زمین پر خدا کے دین کو نافذ کرنا یہ صرف مسلمانوں کے خدا کا حق نہیں بلکہ پوری دنیا کے خدا اور خالق کا حق ہے جسے اُن دوسرے تمام خیالات و نظریات پر مسلط ہونا ہے جو کمزوروں پر ظلم و ستم کے کوڑے برساتے ہیں، جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے انسانوں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے، جو اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر خدا کی زمین کو امن و سکون اور رحمت و رافت کا مسکن بنانے کی بجائے اضطراب و بے چینی، ظلم و بربریت اور کلفت و زحمت کی آماجگاہ بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصدِ عظیم کے حصول کی راہ میں بھی لڑائیاں لڑنی پڑیں گی، اگر خدا کی زمین دامن و شانتی اور چین و سکون کا مرکز بنانا ہے تو خدا کے باغیوں، شرپسندوں اور فتنہ پروروں کو ختم کرنا ہوگا۔ کسی بھی ملک کی حکومت اپنا نظم و نسق چلانے کے لیے امن و شانتی کو محبوب رکھتی ہے اور اس کی خاطر باغیوں، سرکشوں اور شرپسندوں سے نبرد آزما رہتی ہے ——— اسی طرح پوری دنیا کی حکومت جس ہستیٔ برتر کے ہاتھ میں ہے وہ اپنی زمین پر یا اپنی حکومت میں اپنے باغیوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتی اور وہ ان سے جنگ و جہاد کی تلقین کرتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالےٰ سامانِ جنگ فراہم کرنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ قوتِ حرب اور زورِ بازو کے ذریعہ انکو مرعوب و مُدہنش کیا جاسکے۔ فرمان ہے:

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال : ٦٠)

ترجمہ: "اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر"۔

اسلام اور سیکولرزم سے متعلق اس گفتگو میں 'TOLERANCE' یا رواداری کے لفظ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جسکا مفہوم اعلیٰ ظرفی، وسعتِ نظری اور دیگر اخلاقِ فاضلہ کو محیط ہے۔ اس رواداری کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ہی ملک کی دو جماعتیں یا

دو پارٹیاں ہوں - ان میں سے ایک پارٹی انتخابی مہم کو سر کر کے ایماندارانہ طریقے سے برسر اقتدار آجاتی ہے - اب یہ برسر اقتدار پارٹی اگر چاہے تو مقابلے میں آتی ہوئی دوسری شکست خوردہ پارٹی پہ طرح طرح کے مظالم ڈھا سکتی ہے، لیکن ایسا نہیں کرتی بلکہ حزبِ مخالف کو تمام حقوق و مراعات دیتی ہے اور وہ ذرائع و اسباب بھی فراہم کرتی ہے جو اُس کے وجود و بقا کے لیے ضروری ہیں، تو برسر اقتدار حکومت کا یہ مستحسن عمل بردباری، وسعتِ ظرفی، یا رواداری کہلائے گا، سیکولر نہیں! اگر حکومت اس حسنِ سلوک کو سیکولر کہتی ہے تو یہ غلط تعبیر ہے، کیونکہ اگر یہاں پر حکومت اپنے آپ کو سیکولر کہتی ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ حکومت کرنے کا حق اس پارٹی کو بھی ہے جو جائز طریقے سے عوام کے ذریعہ چنی گئی ہے اور اُسے بھی حق ہے جس نے انتخاب میں اپنی نا اہلی کا ثبوت دیا۔

اسلام جو خدائے دو جہاں کا دیا ہوا ضابطہ ہے، وہ ابن آدم کے ساتھ حسنِ اخلاق اور رواداری کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں رواداری کے برتنے کا حکم دیا گیا ہے مخاطب اوّل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :-

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ - (النحل ، ۱۲۵)

ترجمہ :- "آپ اپنے رب کے راستے کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان کے ساتھ ایسے طریقے پر بحث کیجیے جو سب سے بہتر ہو"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی عملی تفسیر تھے۔ اللہ عز و جل نے آپ کو اخلاقِ فاضلہ سے نوازا تھا؛ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں آپ کی سیرتِ طیبہ کی تصویر کھینچی تھی، کان خلقہُ القرآن اپنے تو اپنے غیروں نے بھی آپ کو صادق، امین اور اخلاقِ عالیہ کا مجسمہ کہا تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی ۶۳ سالہ کتابِ حیات اخلاقِ فاضلہ کے درخشاں ابواب پر مشتمل ہے۔ دشمنوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کی ہزار ہا مثالیں تاریخِ انسانیت کی پیشانی پر ثبت ہیں بطور نمونہ طائف کا واقعہ ملاحظہ ہو۔ داعیِ اعظم اس توقع کے ساتھ طائف کا سفر کرتے ہیں کہ لوگ خدا دین کو اختیار کریں گے، لیکن

سرداران طائف نہ صرف یہ کہ آپ کی باتیں نہیں سنتے بلکہ نوجوانوں کو اکساتے ہیں کہ دیکھو یہ شخص تمہارا دشمن ہے، تمہیں اپنے دین سے پھیر دینا چاہتا ہے۔ طائف کے اوباش شہہ پاکر پتھروں کی بارش کرتے ہیں، نعلینِ مبارک بھی مقدس خون سے لتھڑ جاتے ہیں۔ اس بیچارگی کے عالم میں آپکو غیبی طاقت کا سہارا ملتا ہے۔ رحمانیت جوش میں آتی ہے۔ جبرئیلِ امین سامنے آتے ہیں اور کہتے ہیں حضور! پہاڑوں کا انچارج فرشتہ حاضر ہے، حکم ہو تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے تاکہ یہ درمیان میں پس کر رہ جائیں۔ لیکن زبانِ رحمت للعالمین کیا کہتی ہے! نہ، نہ ایسا نہ ہو۔ اگر یہ لوگ اپنی جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے خدا کے دین کو نہیں سمجھ رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ انکی آنے والی نسل اس دین کو سمجھے۔

رواداری اور حسن سلوک کی ایک دوسری مثال دیکھئے۔ فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کے صحن میں دشمنان اسلام سرنگوں کھڑے ہیں۔ اور اپنی پچھلی حرکتوں کو یاد کر کے ہوش و حواس کھوئے دے رہے ہیں۔ سامنے دس ہزار خوں آشام تلواریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کی منتظر ہیں۔ زبان وحی سے یہ ساختہ ہمکلام ہوتی ہے: "بولو! آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے" لوگوں کی طرف سے آواز آتی ہے: "آپ ہمارے بھائی ہیں، اس لیے آج اسی سلوک کی توقع رکھتے ہیں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ کیا تھا" زبانِ حق کہتی ہے: "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم آزاد ہو۔)

سیرتِ مقدسہ کی یہ چند کلیاں بلاشبہ رواداری اور حسنِ سلوک کی ایسی ناطق مثالیں ہیں جو تاریخی حقائق کے طور پر جانی جاتی ہے۔ پھر اس مقدس دور کے بعد بھی خلافتِ راشدہ اور بعد کے دوسرے ادوار میں غیر مسلموں کی مذہبی عبادت گاہوں کے احترام اور جان و مال کی حفاظت کے تاریخی واقعات وسعت ظرفی اور رواداری کی ناقابل انکار مثالیں ہیں، نہ کہ سیکولرزم کی۔

آج اسلام کے سیکولر ہونے کی دلیل میں قرآن پاک سے جو آیات پیش کی جاتی ہیں سب سے پہلی آیت جس سے اسلام کے سیکولر ہونے پر استشہاد کیا جاتا ہے وہ ہے سورۃ الکافرون کی آیت: لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے" ان الفاظ

کے ذریعے یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام اور دوسرے ادیان سب برابر ہیں۔ بالخصوص جن حالات میں سورۃ الکافرون کا نزول ہوا ہے انہیں پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کی غلط فہمی کا ازالہ ممکن ہو سکے گا۔ اسلام کی شمع فروزاں جزیرۂ عرب میں شعاعیں بکھیرتی جا رہی ہے۔ مشرکین مکہ" بالخصوص سرداران قریش داعیٔ اعظم اور انکی دعوت کے خاتمہ کی مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں یہ لوگ حضورؐ کو دعوتِ حق سے پھیرنے کے لیے طرح طرح کی تجویزیں لے کر آپؐ کے پاس آتے ہیں جن میں ایک تجویز یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک سال آپؐ ان کے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال یہ آپ کے معبودوں کی۔ لیکن اس بیجا مصالحت کا ذرہ برابر بھی امکان نہ تھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۃ القلم میں کہا گیا: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ "وہ چاہتے ہیں کہ تھوڑی سی مداہنت آپ برتیں تو وہ بھی برت لیں گے"۔ پھر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ ترجمہ:۔" اے نبیؐ! آپ کہہ دیں کہ اے کافرو! میں اُن کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جسکی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جنکی تم نے عبادت کی ہے۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں کرتا ہوں تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین"۔

قرآن پاک کی ان آیات میں اظہار بیزاری اور نفرت ہے اور اس کا مقصد یہی ہے کہ کفار و مشرکین سے کہہ دیا جائے کہ تم اپنا دین اپنے پاس رکھو میرے لیے تو میرا دین ہی اچھا ہے۔

اسی طرح قرآن کی ایک دوسری آیت کو بھی مستدل بنایا جاتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] ترجمہ۔" دین میں کوئی زور و زبردستی نہیں ہے"۔ اگر اس آیت سے یہی تعبیر ممکن ہوتی کہ اسلام سیکولرزم کا حامی ہے تو پھر بعد میں قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[2] کا کیا مفہوم ہوگا؟ اور رشد و غیّ کے مفہوم کا تعین کیسے ہوگا؟ اس کے علاوہ قرآن میں نبی کریمؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ[3] ترجمہ" آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں (کہ ڈنڈے کے زور سے اپنی بات منوالیں)" مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ[4] "رسولؐ پر صحیح و غلط اور حق و باطل کیا ہے، اسکی تبلیغ کے علاوہ کچھ نہیں"۔ ان آیات کے اندر ایک طرف تو داعیٔ حق کی

---

[1] [2] البقرہ: ۲۵۶ [3] الغاشیہ: ۲۲
[4] المائدہ: ۹۹

حیثیت کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف دعوتِ حق کی عظمت کا۔ یعنی یہ دعوتِ اسلام کوئی بے وزن یا بے قیمت چیز نہیں کہ زبردستی کسی پر تھوپ دی جائے۔ کسی بیش قیمت چیز کے لیے جبر و اکراہ کرنا دراصل اس کی عظمت کو گھٹانا ہے ورنہ یہاں تک بات ہے حق و ناحق اور صداقت و بطلان کی تو یہ بہرحال دو متضاد چیزیں ہیں جن کے ترک و اختیار کے نتائج بھی جدا جدا ہیں۔ از روئے آیۂ قرآنی،

لَا يَسْتَوِىٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ [1]

ترجمہ: "جہنم والے اور جنت والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی کامیاب و کامران ہیں۔" بایں صورت زبردستی نہ کرنے کا مفہوم سیکولرزم کیسے ہو جائے گا؟

چونکہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں حکمت عملی ایک عظیم سرمایہ ہے اس لیے اسے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے قرآن کا فرمان ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [2] "اپنے رب کی طرف آپ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ بلائیے۔" پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ یہ طریقہ جو حکمت اور رواداری کا طریقہ ہے مخاطب کو دعوتِ حق سے قریب کرنے کے لیے ایک مؤثر حربہ ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ ازلی دشمن بھی جگری دوست بن جاتا ہے۔

قرآن کی ان تمام مذکورہ آیات پر سیاق و سباق کے ساتھ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں تو اظہارِ بیزاری اور تنفر مقصود ہے، کہیں دعوت کی عظمت اور داعی کی حیثیت کا اظہار ہے اور کہیں حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت کو پیش کرنے کی تلقین ہے۔ اگر یہاں سیکولرزم مراد ہوتا تو حق و باطل کی کشمکش کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ایسی صورت میں تبلیغِ حق میں جان گھلانے کی نوبت نہ آتی۔ طائف کا واقعہ پیش نہ آتا۔ صحابہ کرام کو گرم گرم پتھروں پر لٹانے کے دردناک مناظر بھی دیکھنے میں نہ آتے۔ جنگ بدر، احد، خیبر اور تبوک وغیرہ سبھی بے معنی جنگیں ہوتیں۔ البتہ یہاں رواداری اور حسنِ سلوک کا ایک دریا موجزن نظر آتا ہے جس کی بیشمار مثالیں تاریخ کے صفحات پر موتیوں کی طرح بکھری پڑی ہیں۔

---

[1] الحشر: ۲۰

[2] النحل: ۱۲۵